نمرود اور فرعون کے شخصی نام

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب۔ پیرس۔ فرانس

غالباً الحق کے ناظرین کے لئے اتنی معلومات کافی ہوں گی، اگرچہ ان نتائج تک پہنچنے کی دلیلوں کا مزید تفصیل سے بھی ذکر ہو سکتا ہے۔ الحق بابت محرم ۱۴۰۱ میں اس ناچیز نے عرض کیا تھا کہ ڈوب مرے فرعون کے نام کے متعلق میں نے ایک چھوٹا سا مقالہ کراچی کے رسالہ فاران بابت مئی ۱۹۷۷ء میں شائع کیا ہے۔ اب مزید تفصیل کے ساتھ، اور بمبئی کے فاضل پروفیسر عبدالرحمن مومن صاحب نے اپنے مفید حواشی کے ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ دہلی کے سہ ماہی رسالے "اسلام اینڈ ماڈرن ایج" بابت اگست ۱۹۸۱ء میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ جامعہ ملیہ دہلی میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کے یادگار ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے کوئی بارہ سال سے شائع ہو رہا ہے۔

ناظرین کرام کو اندازہ ہوگا کہ قرآن مجید کی تفسیر کے لئے بعض وقت بڑی دور کی کوڑیاں بھی لانی پڑتی ہیں۔ مجھے مطلق ادعا نہیں کہ میری تحقیق ہر کسی کو پسند اور قبول بھی ہو۔ تنقید اور جوابی تحقیق سے علم کی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہی قرآنی حکم ہے کہ "قل ربّ زدنی علما۔"

(محمد حمید اللہ۔ پیرس)

قرآن مجید میں جہاں اچھے بادشاہوں کا ذکر ہے، مثلاً حضرت داود، حضرت سلیمان اور طالوت، وہیں برے بادشاہوں کا بھی ذکر ہے، جن میں سے ایک حضرت ابراہیم کا معاصر ہے اور اسے ہم عام طور پر نمرود کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور دوسرا حضرت موسیٰ کا ہمعصر یعنی فرعون۔ قرآن مجید میں ان کے نام نہیں ہیں۔ آج انہیں کا کچھ ذکر مطلوب ہے، واللہ المستعان۔

نمرود | قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ سورۂ بقرہ (۲/۲۵۸) میں ایک خدائی کے

دعویدار بادشاہ سے ان کی حجت کرنے کا ذکر ہے جو بحث میں لاجواب ہو کر مبہوت ہو جاتا ہے (مگر ایمان نہیں لاتا)

سورۂ صافات (۹۰/۳۷ و مابعد) اور سورۂ انبیاء (۲۱/۲۲) میں بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم کو بت شکنی کے "جرم" میں زندہ آگ میں جھونک دیا گیا اور وہ معجزانہ بچ نکلے۔ لیکن وہاں بادشاہ کا ذکر نہیں ہے، لوگوں یا قوم کا ہے۔ لیکن قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ "سزا" بادشاہ ہی کے حکم سے دی گئی ہوگی، عوام الناس کیطرف سے نہیں۔ یہ کون بادشاہ تھا؟

اسلامی ادبیات میں (اردو میں) اس بادشاہ کو نمرود کا نام دیا جاتا ہے۔ محمد بن حبیب البغدادی — (فوت ۲٤۵ھ، جو ابن قتیبہ کا استاد رہا ہے۔) اپنی کتاب المحبّر (مطبوعۂ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن) صفحہ ٤٦۵۔٤٦٦ پر اسے نقطہ دار ذال سے لکھتا ہے۔ اور نمارذۃ کا لفظ بصیغۂ جمع استعمال کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ چھ نمرود گذرے ہیں جن میں سے نمرود بن کنعان بن حام بن نوح حضرۃ ابراہیم والا ہے۔ دوسرے الفاظ میں نمرود لقب ہے، نام نہیں۔ (جسطرح فراعنۃ، فرعون کی جمع ہے۔)

جدید مغرب نے بھی علم کی خدمت کی ہے۔ اور ہمارے موضوع کے سلسلے میں خاص کر اس بات میں کامیابی حاصل کی ہے کہ پرانے غیر معروف خطوں میں لکھی ہوئی عبارتوں کو بھی پڑھیں۔ (میں آج اس تفصیل میں نہیں پڑھوں گا۔ کہ اس میں انہیں کس طرح کامیابی ہوئی، اور ان کے ادعا کامیابی کو کس حد تک قبول کیا جا سکتا ہے۔؟)

بہرحال بابل (عراق) میں پرانے زمانے میں کیونیٔ فارم میں یعنی خط میخی رائج تھا۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سارے حروف میخ کی شکل کی آڑھی ترچھی علامتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ (مثلاً) اس زمانے میں کاغذ نہیں پایا جاتا تھا، اس لئے کتابیں اینٹوں کی صورت میں ہوتی تھیں، اور اینٹ ابھی گیلی ہوتی تھی تو اس پر حروف کندہ کر دئیے جاتے تھے جو اینٹ کے سوکھنے پر مٹ نہ جاتے اور سیاہی کے مقابلے میں یہ عبارت زیادہ دیرپا ہوتی۔ کھدائیوں میں ایسا ایک کتب خانے کا کتب خانہ ہی برآمد ہوا ہے جس سے ان کی علمی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔

قبل اس کے کہ نمرود کے نام کے کتبوں کا ذکر کروں، ایک دلچسپ چیز عہد نبوی کے متعلق عرض کرتا چلوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دومۃ الجندل کو فوج بھیجی اور وہاں کا شرارت پسند حکمران اکیدر گرفتار ہو کر حاضر ہوا تو اس سے ایک معاہدہ ہوا اور راوی کے الفاظ ہیں کہ "ختمہ صلی اللہ علیہ وسلم بظفرہٖ" (حضور اکرم نے اس معاہدے پر اپنے ناخن سے مہر ثبت فرمائی۔) اکیدر کا خاندان عراقی تھا، اور واقعتہً ان میخی کتبوں میں ہلال یعنی ناخن کی شکل کی ایک لکیر ہوتی ہے جو ہمارے آج کل کے دستخط کا کام دیتی تھی۔

بہرحال ان بابلی کتابت میں جو میخی خط میں ہیں، ایک بہت بڑے بادشاہ حمورابی کا نام ملتا ہے۔ اس کا زمانہ تقریباً انیس بیس سو برس قبل مسیح متعین ہوا ہے۔ اور یہی زمانہ اسی ملک بابل میں حضرت ابراہیم کا بھی قرار

دیا جاتا ہے۔ اس لئے مغربی اہل علم کا قیاس یا گمان ہے کہ حضرت ابراہیم کے زمانے کے نمرود سے مراد حمورابی بادشاہ ہوگا۔

اس بادشاہ نے ہندوستان کے راجہ اشوک کی طرح، اپنے قوانین و احکام پتھر کے ستونوں پر کندہ کرا کے شائع کیئے تھے۔ ایسا ایک کتبہ موجودہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایران کے سوس نامی شہر میں ملا اور اب وہ پاریس کے عجائب خانہ لوور کو زینت بخش ہے۔ اس پر کی میخی خط کی عبارت جو ایک کتاب کی کتاب ہے۔ پڑھ بھی لی گئی ہے۔ اور فرنگی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس کے دو نکتوں پر بطور جملہ معترضہ ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

پہلے یہ کہ بابلی زبان ایک سامی زبان ہے اور عربی سے کافی قریب۔ چنانچہ کتبے پر کے قانون نامے میں ایک لفظ "مشکینو" آیا ہے جو عربی میں "مسکین" بن گیا ہے۔ اس سے مراد بابلی زبان میں اجنبی کے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ اجنبی جو ہمارے ملک میں سکونت پذیر ہو گئے ہوں۔ (اسی بنا پر میرا ناچیز گمان ہے کہ آیت: "انما الصدقات للفقراء والمساکین ...." میں لفظ مساکین کے جو معنے حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس نے لئے ہیں وہی مرجح ہیں، یعنی فقراء سے مراد مسلمانوں میں کے غریب اور مساکین سے مراد غیر مسلم اہل الذمہ میں کے غریب۔ حضرت عمر نے ایک یہودی کے متعلق یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے کہ ھذا من مساکین اھل الکتاب۔ (دیکھو کتاب الخراج لابی یوسف اور تفسیر الطبری، بہ آیت صدقات)

دوسرا نکتہ اس حمورابی والے قانون میں قصاص سے متعلق احکام ہیں۔ لکھا ہے کہ مقتول کی بنا پر قاتل کو بھی قتل کیا جائے —— جو ٹھیک ہے —— اور یہ کہ کسی نے کسی اور شخص کے بیل کو مار ڈالا ہے تو قاتل کو شخصاً نہیں بلکہ اس کے بیل کو سزائے موت دی جائے گی۔ جو ایک حد تک گوارا کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی نے کسی اور کی بیٹی کو جان سے مارا ہو تو قاتل کی بیٹی کو جان سے مارا جائے گا۔ (یہ ہے پرانی منطق جو حمورابی کے زمانے کے "فقہا" کے ذہن نشین تھی۔ الحمد للہ اسلام نے اسے بدل دیا۔)

فرعون | قرآن مجید میں حضرت موسیٰ اور مصر کے حکمران فرعون کا بھی بارہا ذکر آیا ہے، اور تورات میں بھی مماثل قصے ہیں۔ (چونکہ خود قرآن نے فرمایا ہے کہ قل ھاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین، توراۃ کے اقتباسات میں بظاہر کوئی حرج نہیں) نمرود کی طرح فرعون بھی خدائی کا دعویدار تھا۔ (انا ربکم الاعلیٰ) اس نے حضرت یعقوب کی اولاد کو جو مصر میں سکونت پذیر تھی نیست و نابود کرنے کی یہ تدبیر سوچی تھی ان کی نوزاد اولاد نرینہ کو تو دایاؤں کی مدد سے فوراً قتل کرا دیا جائے، صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے جو کسی یہودی کی جگہ مجبوراً کسی فرعونی مذہب والے مصری سے نکاح کریگی اور اس طرح مصریوں میں ضم ہو کر بنی اسرائیل

کی انفرادیت ختم ہو جائے گی۔ ان ظالمانہ احکام کے نفاذ کے زمانے ہی میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے۔ ماں کو کچھ اور نہ سوجھا تو بچے کو ایک صندوق کیطرح کے گہوارے (تابوت) میں لٹا کر اسے دریائے نیل میں بہا دیا۔ خدا کی حکمت اور قدرت کے کیا کہنے۔ (اللہ یستھزئ بھم و یمدھم فی طغیانھم یعمھون۔ ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین) ۔ وہ گہوارا جا کر اٹکا فرعون ہی کے محل کے سامنے، گنے جیسی لمبی گھاس کے جھنڈ میں (اور قرآن مجید کے مطابق فرعون کی بیوی نے، اور تورات موجودہ کے مطابق فرعون کی لڑکی نے جو دریا میں تیرنے یا نہانے کے لئے آئی ہوئی تھی، استعجاب سے اسے نکالا اور پھر زنانہ شفقت سے اسے محل میں لے گئی۔ غالباً نام بھی اسی نے دیا کہ موسیٰ کے لفظی معنے ہیں پانی سے نکالا، بچایا ہوا مو ۔ ماء ۔ پانی اور سی ۔ اسی ۔ مدد و مواسات کرنا) بچے کی فرعون کے محل میں پرورش ہوئی۔ فرعون بھی شفقت کرنے لگا۔ اور جب آپ جوان ہوئے اور فرعون نے حبشہ پر فوج کشی طے کی تو حضرت موسیٰ، پروردۂ شاہی کو سپہ سالار بنایا گیا، اور انہوں نے وہاں ایک حبشن سے نکاح بھی فرمایا جس پر ان کے بھائی حضرت ہارون نے ناپسندیدگی بھی ظاہر کی، جیسا کہ تورات کی روایت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ مصری نہیں، اسرائیلی ہیں۔ اس لئے جب ایک دن ایک مصری کو دیکھا کہ ایک اسرائیلی کو بے وجہ ایذا پہنچا رہا ہے تو انہوں نے غصے سے اسے ایک جان لیوا گھونسا مارا (جیسا کہ قرآن اور تورات دونوں میں مذکور ہے اس پر حضرت موسیٰ کے خلاف" وارنٹ گرفتاری" جاری ہوا اور وہ مصر سے چپکے سے روانہ ہو گئے۔ اور مدین میں جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں مغربی ساحل پر ہے، جا پناہ گزین ہوئے۔ وہاں قرآن مجید کے مطابق وہ آٹھ یا دس سال مقیم رہے۔ تورات کے مطابق چالیس پچاس سال۔ اور یہ کہ اس اثناء میں پرانا فرعون مر گیا، اور ایک نیا شخص جانشین ہوا۔ اس پر حضرت موسیٰ مصر واپس ہوئے۔ جب کہ تورات کے مطابق ان کی عمر اسی سال کی تھی۔ آپ نے فرعون کو نصیحت کی جو نہ چلی۔ اس پر آپ نے سارے بنی اسرائیل کے ساتھ جن کی تعداد تورات کے مطابق چھ لاکھ سے زائد تھی ملک چھوڑ کر چلے جانے کی ٹھان لی۔ فرعون کے دو پایہ تخت تھے، ایک شمال میں دریائے نیل کے دہانے اور ڈلٹا میں (یعنی جہاں دریا کئی شاخوں میں بٹ گیا ہے۔ اور شاید ایک کی جگہ پندرہ بیس دریائے نیل بن گئے ہیں۔ بنی اسرائیل اسی زرخیز علاقہ ڈلٹا میں شمالی پایۂ تخت شہر عمسیس میں رہتے تھے۔ دوسرا پایۂ تخت موجودہ شہر قاہرہ کے قرب و جوار میں شہر ممفیس میں تھا۔ اگر بادشاہ شمالی پایۂ تخت میں ہوتا تو غالباً یہودی وہاں سے روانگی کی جرأت نہ کرتے معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کے جنوب میں ہونے کے زمانے سا فائدہ اٹھا کر وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر عمسیس سے نکل کر یکے بعد دیگرے دریائے نیل کی شاخوں کو عبور کرتے ہوئے وہ جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے۔ فرعون

کو جیسے ہی اطلاع ملی وہ تعاقب میں نکلا اور قرآن کے مطابق "یم" کو اور تورات کے مطابق قصب یعنی گنے جیسی لمبی گھاس والے دریا کو عبور کرتے وقت فرعون ان کو جالیا۔ اسرائیلی تو عبور کر گئے، لیکن فرعون اور اس کے کچھ ساتھی، شاید مدوجزر کے باعث ڈوب گئے۔ (عبرانی تورات میں اس مقام کا نام بحر القصب ہے، وہی لفظ جو حضرت موسیٰ کے فرعون کے محل کے سامنے، میٹھے پانی والے دریائے نیل کے گھاس کے جھنڈ کے لئے بھی ہے۔ اس کا کلیسا نے سرکاری طور پر لاطینی ترجمہ کرایا تو وہاں تحریف کر کے بحر قلزم (بحر احمر کر دیا۔ اور متعدد فرنگی زبان کے ترجموں میں بحر احمر ہی ملتا ہے۔ وہاں کھاری پانی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کھاری پانی کے ساحل پر قصب نامی گھاس اُگتی ہو۔)

بادشاہ ڈوبا تو یقیناً حوالی موالی دوڑے اور غوطہ خوروں کی مدد سے لاش کو نکال لیا، اور حسب عادت مومیا کر اسے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ لاش کے بچنے کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (تورات میں نہیں)۔ اور اب قاہرہ کے عجائب گھر میں قرآن کی زندہ تصدیق بنی ہوئی ہے۔ اس بادشاہ کا کیا نام تھا؟ کتاب المحبّر — (ص ۴۶۶-۴۶۷) میں اس کا نام الولید بن مصعب بیان کیا گیا ہے، اور کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسلام سے کوئی تین ہزار پہلے کے ایک مصری شخص کا نام خالص عربی میں ہونا دل کو نہیں لگتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ پرانے قبطی (مصری) ناموں کا ترجمہ ہو۔ مگر ہمارے پاس اب دوسرے ماخذ بھی ہو گئے ہیں۔

بابل میں میخی خط تھا۔ تو پرانے مصر میں ہیروغلیفی خط (جس کے لفظی معنے ہیں "مقدس تحریر") یہ خط تصویری ہے یعنی ہر حرف کسی جانور یا کسی اور چیز کی شکل کی طرح ہوتا ہے مثلاً ... ۔ فرنگیوں نے اسے بھی پڑھنا سیکھ لیا ہے اور حضرت موسیٰ کے معاصر زمانے کے بادشاہوں کے دو نام پائے ہیں پہلے رعمسیس، پھر اس کا بیٹا، اور جانشین منپ تاح۔ گذشتہ صدی کے اواخر (سنہ ۱۸۸۱ء) میں ان دونوں کی مومیائی ہوئی لاشیں مصر میں مل گئیں اور اب قاہرہ کے عجائب خانے میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک پرانے بردی (پاپیرس) کاغذ پر جو کھدائیوں میں ملا ہے، لکھا ہے کہ رعمسیس نے تریسٹھ سال حکمرانی کی آخری عمر میں بیٹا اور ولی عہد منپ تاح نائب السلطنت تھا۔

اگر تورات کا بیان صحیح مانیں کہ حضرت موسیٰ کی مدین میں پناہ گزینی کے زمانے میں ایک فرعون مر گیا تو منپ تاح کو بعد میں ڈوب مرنا چاہیئے، لیکن خود فرنگی فضلاء اور تورات سے اختصاص رکھنے والے پادریوں مثلاً پادری دوو DE VAUX کا خیال ہے کہ تورات کا یہ حصہ مشتبہ ہے اور ناقابل قبول۔ ان حالات میں قرآنی بیان کہ حضرت شعیب کی مہمان نوازی اور گھر دامادی کا زمانہ حضرت موسیٰ کے لئے زیادہ سے زیادہ دس سال کا ہوا، غیر مسلم کے لئے بھی زیادہ معقول اور قرین قیاس معلوم ہوگا، اور ڈوب مرنے والا ہی رعمسیس ہو سکے گا۔ اس کی تائید ایک اور دستاویز سے ہوتی نظر آتی ہے۔

مصر میں ہیروغلیفی خط میں رعمسیس کے جانشین منفپ تاح بادشاہ کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ لن ترانیاں کرتا ہے۔ کہ اس نے مصر کے مشرق میں لیبیا والوں کو، مغرب میں حطیوں کو (فلسطین میں) فاش شکستیں دیں اور اسرائیل کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

یہ کتبہ ایک دوسرے پرانے کتبے کی پشت پر کندہ کیا گیا ہے۔ (کیا ایسے بڑے فاتح بادشاہ کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی کہ ان شاندار فتوح کے ذکر کے لئے ایک نیا پتھر خرید سکے؟) جو بھی ہو، اگر اس نے بنی اسرائیل کو واقعی مصر سے نیست ونابود کر دیا تھا تو پھر حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلنے والے چھ لاکھ سے زائد اسرائیلی (جن کا تورات میں ذکر ہے) کہاں سے آگئے۔؟ اگر یہ قتل عام خروج مصر کے بعد ہوا، اور منفپ تاح نے مثلاً اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لئے یہودیوں پر حملہ کیا تو تورات اس سے کیوں ساکت ہے۔ اور یہودیوں کی بے شمار بپتاوں کے ساتھ ایک مزید کا کیوں ذکر نہیں کرتی۔؟ اس کتبے میں غلط بیانی ہونے کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے شاید مل سکتا ہو۔

منفپ تاح کے باپ رعمسیس کا بھی ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ لبنان کے حطی لوگوں نے مصر پر چڑھائی کی تو اس نے ان کو شکست فاش دے کر پسپا کر دیا۔ اتفاق سے حطیوں کی اس جنگ اور معاہدۂ صلح کی اصل دستاویز محفوظ ہے اور اس میں لکھا ہے کہ جنگ کے بعد اس شرط پر صلح ہوئی کہ حطی اپنے سارے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ برقرار رکھیں گے، خاص کر جزیرہ نمائے سینا کے بڑے شہر قادیش پر۔

مصری حکمرانوں کی لن ترانیاں گویا عادتی چیز ہیں، اور اگر پدر نتواند پسر تمام کند کا مصداق ہیں۔ دوسرے الفاظ میں منفپ تاح کا کتبہ کہ اس نے بنی اسرائیل کا نام ونشان تک مٹا دیا، وہ اس بات سے عبارت نہیں کہ ان کو شکست دے کر قتل کیا گیا، بلکہ صرف یہ کہ سارے بنی اسرائیل مصر سے جا چکے ہیں، اس اثنا میں میرا باپ بھی ڈوب کر مر گیا، اور اب میری مملکت میں بنی اسرائیل کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔

رعمسیس کی جو لاش ملی ہے اس کے منہ میں اس کے تقریباً سارے ہی دانت موجود ہیں۔ (اگرچہ کسی قدر مریض اور اکی لاش کے معائنہ کرکے حال میں پادیس کے ایک طبیب دندان نے رائے ظاہر کی ہے کہ شاید فرعون دانتوں کے مرض سے فوت ہوا ہے۔) اور صورت شکل سے پچاس ساٹھ سالہ شخص کی معلوم ہوتی ہے۔ اور تریسٹھ سالہ حکومت ایک افسانہ ہو جاتا ہے۔ اسکی کھوپڑی پھوٹی ہوئی ملی ہے۔ لیکن یہ بات دفن کے بعد بھی کسی زمانے میں پیش آسکتی ہے، جیسا کہ فرنگی محقق ہی بیان کرتے ہیں، اور ہمیں بھی قبول کرنے میں عذر نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ بہرحال فرنگی مولف اور ڈاکٹر بیان کرتے ہیں کہ اب لاش سے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ رعمسیس یا منفپ تاح ڈوب کر مرے، یا قدرتی موت سے۔ ان حالات میں تورات کی تفصیل کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک فرعون مر گیا جس نے بنی اسرائیل کو تکلیف دی تھی اور اس کا بیٹا بعد میں ڈوب مرا، صحیح نہیں معلوم ہوتا، اور صحیح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رعمسیس نامی حکمران ہی وہ فرعون ہے جو دریائے نیل کی ایک شاخ کو عبور کرتے وقت غرق ہو کر مر گیا۔

٭ ٭ ٭